عام مسلم آبادی اور زمامِ کار کی تبدیلی

کسی ملک میں ایک غالب مسلم آبادی کی موجودگی اسلامی نظام کے حق میں رائے عام تیار کرنے کے جو مواقع بہم پہنچاتی ہے ان سے فائدہ نہ اٹھانا اور زمامِ کار کی تبدیلی کے لیے جدوجہد کے جو راستے اس میں کھل سکتے ہیں انہیں بند سمجھ لینا کسی صاحبِ عقل آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ کم سے کم فائدہ جو اس چیز سے اٹھایا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ جس دوران میں معاشرے کو ذہنی اور اخلاقی حیثیت سے نظامِ حق اور امامتِ صالحہ کے لیے تیار کرنے کی کوششیں کی جارہی ہوں' عوامی جذبات کو ان کوششوں کی پشت پناہ بنائے رکھا جائے۔ تاکہ قیادتِ فاسقہ انہیں روکنے اور برباد کرنے کے لیے کوئی طوفان نہ اٹھا سکے اور نظامِ باطل کی جڑیں جمنے نہ پائیں۔ لیکن اگر عقل سے کام لیا جائے تو اس کا یہ فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے کہ تعمیری مساعی اور عوامی تحریک دونوں متوازی چلتی رہیں تاکہ عوامی تائید جتنی بڑھتی جائے اسی رفتار سے نظامِ باطل کو پیچھے ہٹانے اور نظامِ حق کو آگے بڑھانے کا تدریجی عمل جاری رکھا جاسکے اور بالآخر یہ دونوں قسم کی کوششیں ایک نتیجہ پر تمام ہوں۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی مقام پر آپ ایک مسجد بنا رہے ہیں اور آپ کے پیش نظر یہ ہے کہ اس مسجد ہی کو پورے علاقے کا مرکز بنانا ہے' لیکن ایک سیلاب کا خطرہ ہر وقت آپ کے سر پر منڈلا رہا ہے جو اس تعمیر کو کسی وقت بھی آکر روک سکتا ہے بلکہ تباہ و برباد بھی کرسکتا ہے۔ اب اگر آپ کے گردوپیش کوئی مسلم آبادی ایسی موجود ہے جو چاہے نماز نہ پڑھتی ہو' مگر مسجد کا احترام کرتی ہو اور تعمیرِ مسجد کے مقصد سے ہمدردی رکھتی ہو تو آپ اس سے اتنا فائدہ تو اٹھا ہی سکتے ہیں کہ تھوڑا سا جذباتی اپیل کرکے اسے سیلاب کے آگے بند باندھنے پر آمادہ کرلیں۔ لیکن یہی اپیل اگر حکمت و دانش کے ساتھ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ تعمیرِ مسجد کی حفاظت کا جذبہ پیدا کرتے کرتے آپ اسی آبادی میں سے وہ لوگ بھی زیادہ سے زیادہ تعداد میں نہ نکالتے

جائیں جو نماز بھی پڑھنے لگیں اور اس تعمیر کے کام میں معمار اور کاریگر بننے کے لیے بھی تیار ہو جائیں۔ اگر آپ کے پیشِ نظر یہی مقصد ہے کہ اس مسجد کو آخر کار پورے علاقے کا مرکز بنانا ہے تو تعمیرِ مسجد کی کوشش کے ساتھ ساتھ عوامی اپیل جاری رکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس روز مسجد کی تعمیر مکمل ہوگی اسی روز علاقے کا مرکز بھی بنی ہوئی ہوگی۔ اس کے بجائے یہ تجویز غالباً معقول نہ ہوگی کہ پہلے آپ چند سال تعمیرِ مسجد میں صرف کریں، پھر اسے علاقے کا مرکز بنانے کے لیے نکلیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس دوران میں سیلاب آپ کو تعمیر کرنے ہی نہ دے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس درمیانی مدت میں گردوپیش کی آبادی کسی گرجا یا مندر کی عقیدت میں گرفتار ہوچکی ہو۔ (تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل، ص ۱۲۳ تا ۱۲۵)

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اگر فی الواقع ہمارے پیشِ نظر یہی مقصد ہے کہ یہاں ایک اسلامی ریاست قائم ہو، تو اس کے لیے اوّلین ضرورت بہرحال یہ ہوگی کہ ہم یہاں کے زیادہ سے زیادہ باشندوں کو اسلامی ریاست کے نظریے سے واقف، اور اس کا قائل، اور اس کا طالب بنانے کی کوشش کریں۔ اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ ہماری ایک اکیڈمی ہو جو اسلامی ریاست کے موضوع اور اس سے متعلق مسائل پر بہترین علمی کتابیں شائع کرے اور ہم سالہا سال کی کوشش سے علومِ سیاست و اجتماع میں اپنے نظریے کا سکّہ جما دیں۔ دوسری شکل یہ ہے کہ جس وقت ہمارے ملک میں یہ سوال فیصلہ طلب ہو کہ ریاست کا نیا نظام کن بنیادوں پر تعمیر کیا جائے، اس وقت ہم میدان میں آکر عوام اور خواص سب کے سامنے اپنا نظریہ پیش کریں اور ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق اسلامی ریاست کا محض تصور ہی نہ دیں بلکہ اسے اس کا قائل اور حامی اور طالب بنانے کی بھی کوشش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں صورتوں کے درمیان جو شخص بھی موازنہ کرکے دیکھے گا اس کے لیے یہ ماننے کے سوا چارہ نہ ہوگا کہ ہمارے مقصد کے لیے دوسرا طریقہ زیادہ کارگر ہے۔ آپ ہزار کتابیں لکھ کر بھی اتنا کام نہیں کرسکتے جتنا اس صورت میں کرسکتے ہیں کہ جس وقت کوئی اہم مسئلہ لوگوں کے سامنے درپیش ہو اس وقت میدان میں آکر اس مسئلے میں ان کو صحیح رہنمائی دیں۔ ایسے مواقع پر چند جملے بڑی بڑی کتابوں سے زیادہ کام کرتے ہیں اور ذہنوں میں اچھی طرح جذب ہو جاتے ہیں۔

... مسلم قوم پرستی کی وہ تحریک جو تقسیم سے پہلے مسلمانوں کے ذہن پر غلبہ پائے ہوئے تھی، اپنی منزلِ مقصود، پاکستان پہنچ کر یک لخت، ٹھنڈی پڑ گئی اور وہ کوئی ایسا ایجابی نظام اور

پروگرام نہ لاسکی جو مسلم عوام کو تقسیم کے بعد بھی اس کے ساتھ وابستہ رکھتا۔ مزید برآں اس تحریک کی علم بردار جماعت نے تقسیم کے وقت اور اس کے بعد جس کردار کا مظاہرہ کیا اس نے چند مہینوں کے اندر اس کے وقار اور اخلاقی اثر کے فلک بوس قصر کو زمین بوس کردیا۔ اس وقت کوئی دوسری منظم تحریک ایسی موجود نہ تھی جو اس خالی میدان پر قبضہ کرسکتی۔ اس خلا نے یہ موقع خود بخود پیدا کردیا کہ ایک ایسی اصولی تحریک آگے بڑھ کر عوام کے ذہن پر اپنا اثر قائم کرنے کی کوشش کرے جس کی تائید کے لیے مسلمانوں کے مذہبی عقائد' دینی جذبات' صدیوں کی روایات اور سلف سے خلف تک کا پیدا کیا ہوا بے شمار لٹریچر موجود تھا اور جو خود بھی تقسیم سے پہلے اپنے خیالات وسیع پیمانے پر پھیلا چکی تھی۔ ہم سخت نادان ہوتے اگر اس موقع کو ہاتھ سے کھو دیتے اور اپنے آپ کو قبل تقسیم ہی کی پوزیشن میں سمجھے بیٹھے رہتے۔

اُس وقت عوام کے جذبات ہر رخ پر مڑ سکتے تھے اور موڑے جا سکتے تھے۔ اسلامی نظام کے مطالبے کی طرف ان کے مڑنے کے سب سے زیادہ امکانات تھے' کیونکہ وہ مذہباً" اسلام کے معتقد تھے اور انھوں نے نیک نیتی کے ساتھ پاکستان کے قیام کی جدوجہد اسی لیے کی تھی کہ یہاں اسلامی حکومت قائم ہو۔ لیکن اگر اس رخ پر انہیں موڑنے کی کوشش نہ کی جاتی تو وہ انارکی کی طرف بھی مڑ سکتے تھے۔ پاکستان کے نئے حکمرانوں کی زیادتیوں نے اس کے لیے اچھے خاصے امکانات پیدا کردیے تھے۔ وہ اشتراکیت کی طرف بھی مڑ سکتے تھے۔ مہاجرین کی حالتِ زار' عام معاشی بدحالی' نظم و نسق کی خرابی اور ظالم طبقوں کی لوٹ کھسوٹ نے وہ خشک گھاس فراہم کردی تھی جس میں یہ آگ خوب پھیل سکتی تھی' اور ہماری سرحد سے متصل روس کی موجودگی یہاں وہی حالات پیدا کرسکتی تھی جو روس کے دوسرے طفیلی ملکوں میں آج آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہ قوم پرستی کی طرف بھی مڑ سکتے تھے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے مظالم کی یاد نے' ہندوستان اور پاکستان کی کشمکش نے' اور سب سے بڑھ کر کشمیر کے معاملے نے اس کے لیے میدان تیار کر رکھا تھا' اور اگر اس چیز کو جڑ پکڑنے کا موقع مل جاتا تو یہاں ہر وہ شخص قومی غدار اور عوام کا دشمن (people's enemy) قرار پا سکتا تھا جو لادینی قومی حکومت کی مرضی کے خلاف دینی نظام کے لیے آواز اٹھاتا۔ خود ہمارے مطالبۂ نظامِ اسلامی کو شکست دینے کے لیے مسئلہ کشمیر کے متعلق عوام کے جذباتی اشتعال کا رخ ہماری طرف موڑنے کی جو کوشش ۱۹۴۸ میں کی گئی تھی وہ اتنی پرانی تاریخ کی بات نہیں ہے کہ آپ اسے بھول گئے ہوں۔ اس سے آپ یہ سبق لے سکتے ہیں کہ اگر عوام کے جذبات کو اسلامی تحریک کی پشت پناہی کے لیے تیار کرنے میں ہم سے کچھ

تساہل ہو جاتا تو کچھ مدت کے بعد یہ سرزمین اس تحریک کے لیے کیسی شوریلی اور خار زار بن جانے والی تھی۔ (تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل' ص ۱۲۷ - ۱۳۰)

ہمارے مطالبۂ دستور کا عوام اور خواص کی بھاری اکثریت نے جس طرح ساتھ دیا' اور اسلامی حکومت کے محدود تصور کو چھوڑ کر اس کے بنیادی نظریے اور جامع تصور کو جتنی جلدی اور جس قدر وسیع پیمانے پر لوگوں نے قبول کیا' یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ یہ قوم سیرت و اخلاق میں چاہے کتنی ہی کوتاہ ہو' اسلام پر اعتقاد رکھنے میں منافق نہیں ہے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ یہ قوم اس آزمائش کے موقع پر خود ایک صحیح رہنمائی کی طالب تھی۔ اس کے بعد تو اس امر میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ اس وقت ہمارا سب سے بڑا فرض عوام کو یہی رہنمائی دینا تھا۔ اس میں ہم کوتاہی برتتے تو سخت گنہگار ہوتے۔ (تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل' ص ۱۳۲)

پھر اختیارات ہاتھ میں لیتے ہی ہماری قوم کے قائدین نے' جو اب قائد ہی نہیں' حاکم بھی تھے' ملک کے آئندہ نظام کے متعلق جیسی الجھی الجھی اور متضاد باتیں کرنی شروع کیں' اور قوم جس طرح ابتدائی چند مہینوں میں ٹھنڈے دل سے ان کو سنتی رہی' اسے دیکھ کر صاف معلوم ہوگیا کہ اس وقت ایک بے شعور قوم کی باگیں ایک بے فکرے گروہ کے ہاتھ میں ہیں' یہ وقت خاموش بیٹھ کر تعمیری کام میں لگے رہنے کا نہیں ہے' اب اگر ایک لمحہ بھی ضائع کیا گیا تو بعید نہیں کہ جو لوگ منزل کا تعین کیے بغیر بے سوچے سمجھے چل پڑے تھے وہ یکایک کسی غلط نظریے کو اس مملکت کی بنیاد بنا بیٹھیں اور پھر اس فیصلے کو بدلوانا موجودہ حالت کی بہ نسبت ہزار گنی زیادہ قربانیوں کے بغیر ممکن نہ رہے۔ (جماعتِ اسلامی کا مقصد' تاریخ اور لائحہ عمل' ص ۴۲ - ۴۳)

... اور اگر حقیقتاً ہماری طاقت ایسی گئی گزری نہیں ہے بلکہ سوال صرف مزید تکمیل کی سعی کا ہے تو آیا ہمارے مقصد کے لیے یہ زیادہ مفید ہے کہ ہم اس تکمیل کی سعی میں لگے رہیں اور تمام مواقع کھو دیں' سارے امکانات ضائع کردیں' ہر ممکن خطرے کو نازل ہو جانے دیں؟ یا یہ زیادہ بہتر ہے کہ جتنی اور جیسی کچھ طاقت بھی اللہ نے ہمیں بخشی ہے اسے لے کر کام کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور تکمیل کی مساعی جہاں تک بھی ممکن ہو اس کے ساتھ ساتھ کرتے رہیں۔ (تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل' ص ۱۳۸)